مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

قوانین اسلام کے نفاذ کا مسئلہ

یہ تقریر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کیطرف سے مقرر کے اعزاز میں ۱۸ جولائی ۱۹۷۸ء کو اسلام آباد ہوٹل ہال میں دئے گئے ایک استقبالیہ میں کی گئی۔ صدارت سپریم کورٹ پاکستان کے چیف جسٹس جناب انوار الحق صاحب نے کی، جلسہ میں سپریم کورٹ کے جج صاحبان، وفاقی وزراء، اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان، علماء اور جدید تعلیمیافتہ حلقہ کی نمائندہ شخصیتیں موجود تھیں۔ اس تقریر کی گونج اقتدار کے ایوانوں میں بھی سنائی دی۔ استقبالیہ کلمات اور افتتاحی تقریر جسٹس محمد افضل چیمہ صدر اسلامی نظریاتی کونسل نے کی اور صدارتی خطاب چیف جسٹس انوار الحق صاحب نے فرمایا۔

بعد خطبۂ مسنونہ

صدر محترم، حاضرین گرامی قدر! میرے لئے بڑے شکر و مسرت کا مقام ہے کہ جن حضرات کی خدمت میں مجھے فرداً فرداً جانا چاہیئے تھا۔ اور مجھے ان سے اپنا دردِ دل یا اپنے مطالعہ اور فکر کا نتیجہ علیحدہ علیحدہ پیش کرنا چاہیئے تھا وہ یہاں خود تشریف لائے ہیں اور مجھے ایک ایسا موقع ملا ہے کہ میں ان سب حضرات کی خدمت میں عرض کر سکتا ہوں، یہ بڑی خوشی کا موقع بھی ہے اور بڑی ذمہ داری کا بھی، میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ مجھے اس پر زیادہ خوش ہونا چاہیئے یا ذمہ داری کے احساس سے مجھے متفکر اور گراں بار ہونا چاہیئے۔؟ بہر حال یہ دو ملے جلے احساسات ہیں اور میں نے بے تکلف ان کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد | حضرات! ہم اس وقت عالم اسلام میں بڑے نازک مرحلے سے

گزر رہے ہیں، یہ ایک عبوری مرحلہ ہے۔ اور عبوری مرحلہ ہمیشہ بڑا نازک اور دشوار ہوتا ہے۔ اسلامی ملکوں کی قیادتیں اور اسلامی ملکوں کے دل و دماغ کوئی لمحہ ضائع کر دیں یا کسی انفرادی اور وقتی مسئلہ میں الجھ کر رہ جائیں تو زندگی کا رواں دواں قافلہ رعایت نہیں کرے گا۔ زمانہ کا سیلاب صرف سیلاب سے کھتا ہے وہ کسی کشتی کے ڈوبنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ حالی نے کہا تھا اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے محدود ماحول میں اور محدود تخیل میں کہا ہوگا ۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

سرزمین اندلس کا ایک عزیز پیام

ابھی جسٹس افضل چیمہ صاحب نے اسپین یعنی اندلس مرحوم کا ذکر کر کے داغِ کہن تازہ کر دئے اور میرے دل کو خاص طور سے تڑپا دیا کہ میں خوش قسمتی کہوں یا بدقسمتی کہ اس سرزمینِ رنگ و بو سے گزرا ہوں اور اس کی تاریخ بھی پڑھی ہے۔ آپ یقین مانئے میں ممالکِ اسلامیہ میں سے شاید ایک ہی دو ایسے ملکوں کے دیکھنے سے جو شاہراہِ عام سے ہٹے ہوئے ہیں اس وقت تک محروم رہا ہوں ورنہ بیشتر اسلامی ممالک سے گزرا ہوں۔

لیکن میں جب اندلس گیا تو معلوم ہو رہا تھا کہ فضائیں مجھ سے لپٹ رہی ہیں اور یہاں کی روحیں مجھ سے معانقہ کر رہی ہیں، زمین کا ذرّہ ذرّہ کچھ پیغام رکھتا ہے اور مجھ سے کہنا چاہتا ہے، میں یہ سمجھا کہ وہ اسلامی ممالک کے مستقبل کے متعلق مجھے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ اندلس کا ذرّہ ذرّہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ دیکھو! عالمِ اسلام کا کوئی دوسرا ملک اس المیہ سے دوچار نہ ہونے پائے۔ یہ بات تمہارے ذمہ امانت ہے، یہ اس سرزمین کے ہر ذرّہ کا پیغام ہے۔ جہاں تک پہنچا سکو کہ اب اسلام کی تاریخ میں اور مسلمانوں کے صبر و تحمل میں اس کی بالکل گنجائش نہیں کہ کوئی دوسرا ملک اسپین بنے۔ میں یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے بھی تکلیف محسوس کرتا ہوں، لیکن یہ ایک پیام ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اسکو ہر ملک میں دہراؤں۔

عالمِ اسلام ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے۔

عالمِ اسلام اس وقت ایک عبوری مرحلہ سے گزر رہا ہے پورا ڈھانچہ توڑا جا رہا ہے۔ اور ایک نیا ڈھانچہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے جب قوموں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں اور ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ نئی تقدیر لکھی جاتی ہے۔ اس وقت پورا عالم اسلام ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے۔ یہ دور جہاں ایمان و عقیدہ کی طاقت چاہتا ہے وہاں بڑے عمیق مطالعہ کا بھی طالب ہے۔ بڑی سنجیدگی اور فکر کی گہرائی کا بھی طالب ہے، اور ایثار و قربانی کا بھی طالب ہے۔ یہ مرحلہ بغیر ان عناصر کے طے نہیں ہوتا اور نہ کبھی اس سے پہلے طے ہوا ہے۔ اور نہ اس وقت طے ہو سکتا ہے۔ یہ جس طرح ہمارے عقیدہ کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہماری ذہانت کا بھی امتحان ہے۔ اس لئے کہ ایک معاشرے کا نیا ڈھانچہ بنانا، اس کو اسلام کی تعلیم کے مطابق کرنا،

ن ۔ ۔ ھر ہو نہ ۔ ج کرنا جو اس کے منافی ہیں ۔ اور ایک نیا تمدن تشکیل میں لانا ہے ۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ اس وقت اس ۔ م ایک عقیدہ کی حیثیت سے موجود ہے ، لیکن اسکو اس کے تمدن سے محروم کر دیا گیا ہے ۔ اور یہ مغرب کی بہت بڑی سازش ہے ۔ کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو عقیدہ سے ہٹانا مشکل ہے اور ان کے احساسات اس کے بارے میں بہت تیز ہیں ، اس کو اس کے بہت تلخ تجربے ہوئے ہیں ۔ جنگ صلیبی سے لیکر اسپین کی نسل کشی اور مسلمانوں کے کلی اخراج سے ۔ ے کر اس وقت تک تو اس نے اپنے ان تجربوں سے فائدہ اٹھایا اور اس نے یہ حکمت عملی (STRATEGY) طے کی کہ مسلمانوں کو ان کے عقیدہ سے ہٹانے کی بجائے ان کے تمدن سے اور ان کے نظامِ معاشرت سے علیحدہ اور محروم اور اس پر آمادہ کر دینا چاہیئے کہ وہ دوسرا تمدن اختیار کر لیں اور اس میں میں سمجھتا ہوں یورپ بڑی حد تک کامیاب ہو گیا ہے ۔ خدا کے فضل سے اسلامی عقائد کے بارے میں کوئی تحریف واقع نہیں ہوئی ہے ۔ جیسا کہ عیسائیت میں واقع ہوئی تھی ، عیسائیت جسطرح حضرت مسیح کی دی ہوئی پٹڑی سے ہٹ کر سینٹ پال کی پٹڑی پر پڑ گئی اور وہ برابر اس پر چل رہی ہے ۔ مسیحیت صراطِ مستقیم سے ہٹ کر تثلیث ، ابنیت مسیح کے عقیدے اور رومی تمدن کی پٹڑی پر پڑ گئی اور پھر اس پر برابر چلتی رہی ، پھر ایسے واقعات پیش آئے کہ وہ رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی ، کاشکہ یہی ہوتا کہ اس کا مشرق کے سست کار اور ایک سوتے ہوئے قافلہ سے واسطہ پڑا ہوتا ۔ لیکن وہ مغرب تھا اور مغرب میں وہ طاقتیں ابل رہی تھیں ، ترقی کے جذبات موجزن تھے ، زندگی کا گرم خون رگوں میں دوڑ رہا تھا ، اور ساری دنیا میں وہ خون جاری اور ساری ہونا چاہتا تھا جہاں اور چیزوں کی رفتار تیز سے تیز تر ہوئی وہاں اس انحراف و ضلالت کی رفتار بھی تیز ہو گئی ۔ اس لئے کہ جن قوموں کے ساتھ اسکی قسمت وابستہ تھی یا جو قومیں اس کی حامل تھیں وہ سست رفتاری پر قانع نہیں تھیں ، ان کو یورپ کے خاص حالات کی بناء پر "تنازع للبقاء" کے اصول پر عمل کرنا تھا اور زندگی کے سخت مقابلہ میں ان کو اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا تھا اس لئے ہر چیز کی رفتار تیز ہو گئی ۔ عیسائیت کے صراطِ مستقیم سے انحراف کی رفتار بھی تیز ہوتی چلی گئی ۔

ایسی کوئی تحریف یا انحراف الحمدللہ عالمِ اسلام میں پیش نہیں آیا ۔ اور قرآن مجید کی زبان میں :۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۔ کے عقائد اور اصولِ دین کی حد تک ایسا انحراف پیش آ بھی نہیں سکتا ، خدا نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ۔ لیکن جہاں تک تمدن اور زندگی کا تعلق ہے ۔ ظاہر ہے کہ کوئی عقیدہ ، کوئی تعلیم یا اس کی حامل کوئی قوم خلا میں نہیں رہ سکتی ، اسکو ایک ماحول چاہیئے ۔ اس کو آزادی چاہیئے ، اس کو وسائل چاہئیں اپنے معاشرہ کی تشکیل کی آسانی چاہیئے ۔ عقائد میں انحراف اور تبدیلی نہیں ہوئی ۔ لیکن عقائد کے نتیجے میں جو اخلاق اور جو زندگی کا طرزِ عمل متعین ہوتا ہے ۔ اس طرزِ عمل کو عملی طور پر ظاہر ہونے کے لئے ایک آزاد ماحول چاہیئے ، ایک معاشرہ

چاہیئے اور ایک ایسا خطہ چاہیئے ۔۔۔۔ جہاں وہ آزادی کے ساتھ سانس لے سکے اور اپنے اصول پر عمل کر سکے تو اس بارے میں یورپ کو کامیابی حاصل ہوئی کہ اس نے اسلام کو مسلمانوں کو اصل اسلامی تمدّن سے دور کر دیا اور اپنا تمدّن ان پر مسلط کر دیا یا اس کو ان کے لئے دلفریب بنا دیا۔

اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے اگرچہ میرا تعلق فطری طور پر خاندانی طور پر اور عملی طور پر اس مکتب فکر اور اس گروہ سے ہے جو خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات پر وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کو ہمیشہ ترجیح دیتا رہا، میری مراد سیّد احمد شہیدؒ اور ان کے اولوالعزم، عالی ہمت رفقاء سے ہے جنہوں نے احیائے خلافت اسلامیہ کی کوشش کی اور ان پچھلی صدیوں میں پورے عالم اسلام میں کسی ایسی جامع، مکمل، بلند نظر، بلند ہمت جماعت کا سراغ نہیں لگتا جیسی کہ حضرت سیّد صاحب کی جماعت تھی، میرا تعلق اس جماعت سے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے مسلمانوں کو حریت کی فضا کی ضرورت ہے۔ اور خدا کا یہ فرمان جسطرح نزول کے وقت صحیح تھا آج بھی صحیح ہے۔ اور قیامت تک صحیح ہوگا۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس
اقاموا الصلوٰۃ وٰاتوا الزکوٰۃ وامروا	دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک
بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ (الحج)	کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے
...	منع کریں۔

آپ خیال کیجئے کہ معروف و منکر کے لئے قرآن مجید میں اور حدیث میں امر و نہی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، استدعا اور درخواست کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں، عربی زبان ایسی تنگ دامن نہیں ہے۔ کہ اس کے اندر صرف امر و نہی کے الفاظ ہوں اور دوسرے الفاظ نہ ہوں جن میں تواضع ہے خوشامد ہے۔ جن میں استدعا ہے جن میں مطالبہ ہے، بلکہ اس کے لئے جہاں کہیں بھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ امر و نہی کے ہیں۔ تامُرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کنتم خیر اُمۃ اُخرجت للناس تامُرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

اور امر و نہی طاقت چاہتے ہیں۔ امر و نہی وہ مقام چاہتے ہیں جہاں سے ہم اعتماد کے ساتھ اور جرأت کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط ہے۔ امر میں اور نہی میں ایک استعلاء ہے، امر و نہی درخواست کے معنی میں نہیں امر و نہی حکم دینا اور روکنا، اس کے لئے آدمی کے اندر قوت چاہیئے، ایسا مقام اور ایسی بلندی چاہیئے، ایسا اعتماد چاہیئے اور اس کی ایسی وقعت ہو دلوں میں کہ وہ امر کر سکے اور نہی کر سکے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو قوت کی ضرورت ہے، اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے کہ ہمیشہ وہ یہی نہ کہے کہ "اگر ایسا کر لیا جاتا تو اچھا تھا۔" ہماری درخواست ہے اور ہم آپ کو ترغیب دیتے ہیں۔" ہم تبلیغ کرتے ہیں۔" اپنی جگہ پر یہ سلسلہ جاری رہے گا لیکن قرآن

جو معیار و میزان ہے، اس میں الفاظ امر و نہی کے ہیں جن میں مسلمانوں کو وہ طاقت حاصل کرنی چاہئیے کہ جس مقام پر فائز ہو کر وہ حکم دے سکیں اور روک سکیں اس لئے کہ فطرت انسانی تعریف تو کر دیتی ہے اور وہ خوش بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن انسانی نسل کی پوری اصلاح، مکمل اصلاح اس کے بغیر نہیں ہو سکتی جس کے نتیجے میں اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ اور امروا بالمعروف اور نہوا عن المنکر کے الفاظ آئے ہیں۔

سارا انحصار شاخ پر ہے اگرچہ میرا اس فکر و تحریف سے تعلق ہے، لیکن میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ جس شاخ پر نشیمن ہم کو بنانا ہے، اس شاخ کی فکر کی ضرورت ہے۔ ہمارا سارا انحصار اس شاخ پر ہے، شاخ اگر قائم ہے، ہری بھری ہے، استوار و پائدار ہے، تو اس کے بعد یہ مسئلہ آتا ہے کہ نشیمن کیسا ہو؟ نشیمن بلبل کا ہو یا زاغ و زغن کا ہو؟ لیکن پہلے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ شاخ ہے بھی یا نہیں، اگر شاخ نہیں ہے تو پھر کوئی سوال نہیں اٹھتا کہ نشیمن کیسا ہو؟

وہ شاخ جس پر نشیمن ہوگا وہ شاخ ہے، معاشرہ وہ شاخ ہے کسی ملک کی عام زندگی، شہر میں چلنے والے، بازار میں خرید و فروخت کرنے والے، کارخانوں میں کام کرنے والے، اور مدرسوں میں، دانشگاہوں میں پڑھنے اور پڑھانے والے انسان، یہ عام انسان جن سے زندگی عبارت ہے، جن سے شہروں کی رونق ہے، یہ اصل آبادی ہے۔ یہ کیا ہے، اس کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پیمانے کیا ہیں، اس کے احساسات کیا ہیں؟ اس میں نشیمن کو اٹھانے نشیمن کو برداشت کرنے کی کتنی صلاحیت ہے، آپ نشیمن زمین پر، عافیت کی جگہ پر بہتر سے بہتر بنائیں، لیکن کسی شاخ پر اس کو آپ قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ شاخ اگر اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور زبانِ قال سے نہیں لیکن زبانِ حال سے اسکی پتی پتی، اس کا ایک ایک ریشہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور ہم کو نشیمن نہیں چاہیئے، تو یہ ساری محنت بیکار جائے گی۔ مسئلہ یہ ہے کہ شاخ بھی نشیمن چاہتی ہے یا نہیں؟ پھر نشیمن کا بوجھ شاخ برداشت کر سکتی ہے یا نہیں، سارا انحصار اس پر ہے کہ ہمارا معاشرہ کیسا ہے؟ ہمارا معاشرہ اعتقادی طور پر اور اخلاقی طور پر کیسا ہے؟ زندگی کی بنیادی چیزیں، اولین اصول، انسانیت کی ابتدائی شرائط کو پورا کر رہا ہے۔ یا نہیں؟

معاشرہ ایسا ہے کہ گناہ کی رغبت، نفس پرستی، بوالہوسی اس کا مزاج بن گئی ہے جس طرح کہ مچھلی اگر پانی سے نکال کر خشکی میں ڈال دی جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہ معاشرہ ایسا ہے کہ اگر اس میں صلاح کی دعوت دی جائے اگر خدا کے خوف کی دعوت دی جائے یا اچھے اخلاق کی دعوت دی جائے فسق و فجور سے بچنے کی دعوت دی جائے تو اس معاشرہ کا دم گھٹنے لگتا ہے، جیسے مچھلی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ میں قرآن مجید کی اس آیت پر غور کرتا ہوں تو اس کے اعجاز و صداقت کے سامنے انگشت بدنداں رہ جاتا ہوں۔ ایک فاسد مسخ شدہ

معاشرے نے کس خوبی سے اپنے احساسات اور اپنے مضمرات کی ترجمانی کی ہے۔

اخرجوا آل لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون

یعنی معاشرہ چیخ اٹھا، اس معاشرہ نے پکار کر کہا اور بغیر کسی پردہ اور شرم و حجاب کے کہا کہ ان پاکبازوں کی گزر ہم لوگوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ اخرجوا آل لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون ۔ ہم تو نجات میں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں، ہم وہ مچھلی ہیں جو نجات میں زندہ رہ سکتی ہے۔ یہ جو ایک رو آئی ہے طہارت کی یہ ہمیں برداشت نہیں، ہم اس کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے، ہم رہیں گے یا یہ، اگر آپ کو رہنا ہے تو ہم چلے جائیں گے یہ بستی چھوڑ کر۔

جس معاشرہ کی یہ کیفیت ہو جائے گی اس معاشرہ کی صورت حال کو اور اصل زندگی کو نظر انداز کر کے کاغذ کے صفحات پر یا کسی گوشہ میں بیٹھ کر کوئی نقشہ کوئی نظام بنایا جائے گا تو وہ نظام کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ نشیمن بہر حال اس پر قائم ہو گا۔ آپ کو اگر اس نشیمن کو قائم کرنا ہے۔ تو اس کی فکر کیجئے کہ وہ شاخ کس حالت میں ہے۔ اگر شاخ پر تیشہ چلانے والے سینکڑوں ہیں اور نشیمن بنانے والا ایک ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیت اور پورے وسائل رکھتا ہے۔ لیکن جہاں ہزار آدمی تیشہ چلا رہے ہوں تو وہ ایک آدمی جو نشیمن بنا رہا ہے یا کوئی تعمیری کام کرنا چاہتا ہے۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی عمارت اس طرح کھڑی نہیں ہو سکتی کہ اس پر مسلسل تیشے چل رہے ہوں اور کچھ لوگ اس کو بنا بھی رہے ہوں۔ وہ عمارت کبھی بن کر تیار نہیں ہو سکتی۔

معاشرہ زمین ہے، اگر یہ زمین درست ہے اپنی جگہ پر قائم ہے، قرآن کے الفاظ میں کثیباً مھیلاً ریت کا ٹیلہ نہیں ہے جو ہر وقت کھسکتا رہتا ہے۔ جب ہوا آتی ہے تو اس کے ذرات کو اڑا کر لے جاتی ہے، اس کا کسی وقت بھی اطمینان نہیں کہ کل جب آندھی کا طوفان آئے گا تو یہ ٹیلہ یہیں پر ملے گا۔ اگر ہماری سوسائٹی ریگ رواں کی طرح ہے، جب کوئی چالاک آدمی اس سوسائٹی میں پیدا ہو جائے تو پوری سوسائٹی کو اپنا مسحور بنا سکتا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ یہ سوسائٹی مل جاتی ہے، اگر سوسائٹی میں اتنی بھی مقاومت، خطرہ کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، اگر اس میں تنکے کی طرح بہتے ہوئے پانی میں بہہ جانے کی صلاحیت ہے اور وہ ہر وقت اس کیلئے تیار رہتی ہے کہ کوئی مفسد طاقت یا دعوت یا نظام یا فلسفہ آجائے تو اس کی ہمنوائی کرنے لگے اور اسکی ساری محنتوں پر پانی پھیر دے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس معاشرہ کا اس سوسائٹی کا خدا ہی حافظ ہے۔ اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ کہیں کا بھی اسلامی معاشرہ ایسا نہیں ہے کہ آپ اس پر پورے طور پر اعتبار کر سکیں، ابھی کل

کی بات ہے، مجھے معاف کیا جائے اور بعض لوگ میرے ان خیالات سے متفق نہ ہوں کہ جمال عبدالناصر کا زمانہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مصر میں ایک شخص، ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جس کو جمال عبدالناصر سے اختلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آواز پہ تالی بجانے، اس کے پیچھے چلنے، اور اس کی کار کے پیچھے نعرے لگانے کے لئے پورا مصر مست ہے، اس کو تقدس وعصمت اور محبوبیت ومقبولیت کا اعلیٰ مقام عطا کیا گیا اور بالکل پیغمبروں کی صف میں بٹھا دیا گیا، اس کے بعد یہ طلسم ٹوٹا تو معلوم ہوگیا کہ کچھ بھی نہیں تھا، آج کوئی سیدھے منہ سے اس کا نام لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے معاشرے ہیں جن میں اگر کوئی شخص جو ذرا بھی اثر ڈال سکتا ہو عوام پر یا خواص پر اگر وہ کھڑا ہو جائے تو پورا کا پورا معاشرہ اس کے قدموں میں پڑ جاتا ہے کہ چاہے وہ اس کو پامال کرے چاہے زندہ کرے ۔

زندہ کنی عطائے تو در بکشی لقائے تو

یہ بڑی خطرناک صورت حال ہے۔

اسلامی شریعت کے نفاذ میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی قانون سازی کی جو بات کی جارہی ہے، اسلامی شریعت کے نفاذ کے جو مبارک ارادے ہیں ان میں سستی پیدا کی جائے۔ میں ہرگز اس غلط فہمی کی اجازت نہیں دوں گا، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کوشش کو روکنے کے حق میں نہیں، لیکن اس حقیقت کو آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ کامیابی کا انحصار اسی معاشرہ پر ہے، اگر معاشرہ اس کا استقبال کرتا ہے اور ہم نے ہمارے دین کے داعیوں مصنفین نے، صحافت نے، ہمارے ٹیلیویژن نے، ریڈیو نے، میں یہاں تک عرض کرتا ہوں کہ ابلاغ کے جتنے ذرائع ہیں اگر ان سب نے یہ کوششوں کی، یہ مہم چلائی کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پیمانے بدلیں اندر کے احساسات بدلیں، اور نیکی، خداترسی، سنجیدگی، متانت، صبر وتحمل، نفس کی ترغیبات، مالی ترغیبات، یا اخلاقی امتحانات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو تو پھر اس معاشرہ پر بڑے سے بڑا بوجھ ڈالا جاسکتا ہے، اور وہ خلافت اسلامی کا بھی بوجھ برداشت کرسکتا ہے۔ اور مجھے اس میں بالکل شبہ نہیں کہ اگر معاشرہ کی اصلاح ہو جائے اور یہ ساری طاقتیں جو اثرانداز ہوتی ہیں ان میں آپس میں تعاون ہو اور یہ سب اشتراک عمل کے ساتھ معاشرے کی اصلاح میں کچھ عرصہ لگ جائیں تو خلافت اسلامیہ کا خواب بھی حقیقت بن سکتا ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ اس گروہ کا جادو چل رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ابلاغ کے ذرائع ہیں جن کی تعریف قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں
فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں

فی الدنیا والآخرۃ واللہ یعلم وانتم لاتعلمون ○ (سورہ النور) — دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

یہ آیت ایک معجزہ ہے ، جس وقت یہ آیت ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا نازل ہوئی تھی ، مدینہ طیبہ کے محدود معاشرے میں ایک خاص واقعہ پیش آیا تھا ۔ اس واقعہ کا لوگ اپنی مجلسوں میں چرچا کرنے لگے ، مجلسیں کتنی بڑی تھیں ، وہ واقعہ کتنا بڑا تھا ، کن افراد سے اس کا تعلق تھا ، یہ ساری چیزیں ایسی تھیں کہ قرآن مجید کی ..... اس آیت کی وسعت اس سے زیادہ تھی ، وہ قرنوں سے بڑھ کر اور تاریخی اور جغرافیائی فاصلوں سے آگے بڑھ کر کچھ اور چاہتی تھی ۔ آج ہم اس آیت کی تفسیر دیکھ رہے ہیں ۔ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فواحش اور منکرات کی محبت کا رواج ہو ، اس کا تصور آج صحافت ، ٹیلی ویژن ، ریڈیو کے اس دور میں ، ناولوں کے اس دور میں ، پکچر اور فلم کی ترقی کے اس دور میں ، اور لٹریچر اور فلسفوں کے اس دور میں اس جیسی تفسیر تفسیر نہیں ، بلکہ تصویر دیکھی جا سکتی ہے ، کسی اور زمانہ میں مشکل ہے ۔ مدینہ کے اس ماحول میں لوگوں نے ایمان بالغیب سے کام لیا ہوگا اور انہوں نے اس کا انطباق کیا ہوگا ، کسی مخصوص واقعہ پر ، لیکن آج دنیا کی ساری طاقتیں جس طرح ان تشیع الفاحشۃ پر لگی ہوئی ہیں اس کا اس سے پہلے کیا اندازہ ہو سکتا تھا ۔

کچھوا سست رفتاری کے باوجود سو رہا ہے اور خرگوش تیزی کے ساتھ مصروف عمل ہے

ہم نے اور آپ نے بچپن میں یہ کہانی سنی تھی کہ خرگوش اور کچھوے میں مقابلہ ہوا ۔ خرگوش بہت تیز رفتار ، کچھوا بہت سست رفتار ، لیکن کچھوا محنتی تھا ، وہ مسلسل چلتا رہا اور خرگوش سو گیا ، نتیجہ یہ ہوا کہ روایتی کچھوا اس روایتی خرگوش سے آگے بڑھ گیا ، آج معاملہ اس کے برعکس ہے ، آج مقابلہ کچھوے اور خرگوش کا ہے ۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ کچھوا اپنی سست رفتاری کے ساتھ بھی سو رہا ہے ۔ اور خرگوش اپنی معروف تیز رفتاری کے ساتھ سرگرم عمل ہے ۔ آج ہماری اور تخریبی طاقتوں کی مثال یہی ہے ، عالم اسلام کی تعمیری کوششیں اس کچھوے کی طرح ہیں جو سست رفتار بھی ہے اور جاگ بھی رہا ہے ۔ آپ تخریبی اور تعمیری طاقتوں کا مقابلہ کرکے دیکھیں ہر جگہ یہ کچھوے اور خرگوش کی کہانی آپ کو بالکل واقعہ نظر آئے گی ۔

ہمارے معاشرے میں تخریبی طاقتیں جسطرح اخلاقی انارکی اور بغاوت پھیلا رہی ہیں ان کے پاس وہ وسائل ہیں جو رات کو دن اور دن کو رات ثابت کر سکتے ہیں ۔ نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور بنا سکتے ہیں ، ادھر ان تعمیری کوششوں کا ، ان تعمیری اداروں کا حال یہ ہے کہ وہ وسائل سے بھی محروم ہیں ، ان کے پاس قوت تنقید بھی نہیں ہے اور کشش CHARM اور لبھانے والی طاقتیں بھی نہیں ہیں ۔

اس وقت اسلامی معاشرہ کا مسئلہ بہت اہم ہوگیا ہے، اور یہ خام خیالی جو لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے کہ افراد کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے، اصل معاملہ ہے مجموعہ کا اور اجتماعیت کا، یہ دور ہے اجتماعیت کی تقدیس کا، اجتماعیت کا اتنا پروپیگنڈا کیا گیا ہے، فلسفۂ سیاست، اجتماعیات اور عمرانیات کے ذریعہ جو ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ افراد کی اہمیت نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوگئی ہے بلکہ ان کی نفی ہونے لگی ہے۔ لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ افراد اپنی جگہ پر کیسے ہی ناقص اور فاسد ہوں، لیکن جب افراد ایک دوسرے سے مل جائیں گے، ان کے ملنے سے ان کے اجتماع سے جو مجموعہ وجود میں آئے گا، وہ صالح ہوگا، یعنی تختے چاہے کتنے ہی خراب ہوں، گھن کھائے ہوئے ہوں، کرم خوردہ ہوں، لیکن جب کشتی بنائی جائے گی، جہاز بنایا جائے گا تو وہ جہاز اچانک ایک بڑے سے بیڑے میں تبدیل ہو جائے گا اور ان تختوں کی علیحدہ علیحدہ جو خرابی ہے وہ اس میں گم ہو جائے گی، اس کی ایک مثال یہ دی جاسکتی ہے، کہ رہزن جب تک علیحدہ علیحدہ ہوں وہ رہزن ہیں لیکن اگر رہزن یونین بنالیں تو وہ پاسبان بن جاتے ہیں، چور اگر اپنا کوئی اتحاد قائم کرلیں، وفاق قائم کرلیں تو وہ چوکیدار کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، لیکن اگر الگ الگ ہیں تو چور ہیں، رہزن ہیں، یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک رہزن رہزن ہے، دو رہزن رہزن ہیں، لیکن سو رہزن آپس میں مل کر پاسبان کیسے بن جاتے ہیں۔ یہی رہزنی جب ایک فرد واحد میں ہے۔ تو مضر ہے۔ لیکن ترقی کرکے سو کے درجے تک پہنچے تو اب کیسے مضر نہیں رہے گی، اگر وہ ایک نمبر کی مضر تھی تو اب سو نمبر کی مضر ہونی چاہیئے۔ دنیا کی سیاسی، اقتصادی، اجتماعی تنظیمات سب کا حال یہی ہے۔ یورپ امریکہ اور روس کی حکومتوں کو دیکھئے۔ اسی کے ساتھ مشرقی حکومتوں کو بھی دیکھئے کہ وہ فاسق الخیال، فاسد المقصد، جن کی زندگی فاسد، جن کے اخلاق خراب، جن کے افکار وخیالات فاسد، ان سبھوں نے ایک اجتماعی نظام بنالیا اور وہ اجتماعی نظام قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اسلام کے ترکش کا قیمتی تیر

یہاں پر اس وقت خدا نے ایک موقع میسر فرمایا ہے، اور یہاں لوگوں کے ذہن میں خدا کی طرف سے یہ بات آئی ہے کہ اس ملک میں معاشرہ کی ایک نئی تشکیل ہونی چاہیے اور اس ملک میں شریعت کا نفاذ ہونا چاہیئے اور بالاتری اور اقتدار اعلیٰ شریعت اسلامی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ یہ بہت مبارک بات ہے۔ محض اللہ کا فضل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں ہے۔ میں اتفاق کی منطق کا قائل نہیں، جو کچھ ہوتا ہے۔ تقدیر الٰہی اور قضا وقدر کے فیصلہ پر ہوتا ہے، یہ ملک جس بلند مقام اور بلند نسبت پر قائم ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت کا لحاظ فرمایا اور اسکی عنایت ورحمت کی نظر ہوئی، اس لئے میں اس موقع کو غنیمت بلکہ نعمت سمجھتا ہوں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کرتا ہوں۔ میں آپ حضرات کو یہ بھی آگاہی دینا چاہتا ہوں کہ جب تک ترکش کا کوئی تیر آزمایا نہ جائے اس تیر کے متعلق اس قسم کا حسن ظن قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ڈرایا بھی

جاسکتا ہے اور اس سے امید بھی قائم کی جاسکتی ہے، لیکن جب کوئی تیر ترکش سے باہر آجائے وہ استعمال ہوجائے پھر اس کے بعد صرف حقیقت رہ جاتی ہے، تجربہ رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں رہ جاتا۔ اسلام کے ترکش کا یہ تیر بڑا قیمتی ہے، میں شریعت کا نفاذ اُسے نہیں سمجھتا کہ چند حدود جاری ہوجائیں، شریعت کا نفاذ بہت وسیع لفظ ہے۔ اور اس کا بڑا وسیع مفہوم ہے، اس لئے میں کسی ملک کے متعلق شہادت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں جب کہ اس کے پورے حالات مقاصد کا اور نیتوں کا علم نہ ہوجائے۔ لیکن بہرحال دنیا میں ایک چیز ایسی تھی جس کے متعلق کہا جاسکتا تھا کہ اگر وہ تیر ترکش سے نکلا تو پھر دنیا میں خیر و برکت کا دروازہ کھل جائے گا۔ جب تک وہ تیر ترکش سے باہر نہیں آیا تھا، اس کے آنے کی امیدیں پیدا نہیں ہوئی تھیں، اس وقت تک دنیا کی زبانیں خاموش، قلم بھی خاموش، ہمارے لئے عذر کے مواقع بھی بہت تھے کہ کیا کیا جائے، شریعت کا نفاذ ہی پوری طرح نہیں ہورہا ہے۔ اسلامی معاشرہ ہی درست نہیں ہورہا ہے، اس سے کیسے اچھی امید کی جاسکتی ہے۔؟ لیکن جب وہ تیر باہر آجائے، پھر اس کے بعد کیا عذر ہوسکتا ہے، یہ تیر ایک ہی بار استعمال ہوتا ہے۔ یہ میں آپ سے عرض کردوں کہ تاریخ کے تجربہ، تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں کہ یہ تیر بار بار استعمال نہیں ہُوا کرتا، یہ ایسا تیر نہیں جو بار بار آزمایا جائے، پھر جاکر اٹھا لائیں پھر ترکش میں رکھ لیں کہ ہم بوقت ضرورت استعمال کرتے رہیں گے، یہ تیر ایک دفعہ کمان سے نکلا پھر واپس نہیں آیا، یہ بہت ہی نازک وقت ہے۔ میں ایک ایسے منتخب مجمع کے سامنے جس میں اس ملک کے چیف جسٹس موجود ہیں اور متعدد مرکزی وزراء موجود ہیں، علماء کرام بھی موجود ہیں، میں آپ سے پوری معذرت کے ساتھ یہ عرض کررہا ہوں، کہ صرف پاکستان کی تاریخ میں نہیں، بلکہ تاریخ اسلامی میں ایک نازک مرحلہ آگیا ہے، ایسے مواقع پر آدمی اپنی سانس روک لیتا ہے۔

تجربے کامیاب بھی ہوتے ہیں، ناکام بھی ہوتے ہیں۔ ہماری انسانی زندگی ساری کامیاب اور ناکام تجربوں کا مجموعہ ہے، انسان ٹھوکر کھاتا ہے، پھر سنبھلتا ہے، گرتا ہے، پھر اٹھتا ہے، قوموں کی کشتیاں بھی ڈوبیں اور نکلیں اور یہ خدا کا قانون ہے۔ "يولج الليل في النهار ويولج النهار في الليل ويخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي" اور " قل اللّٰهم مالك الملك۔" میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے۔ "يقلب الله الليل والنهار" یہ الٹ پھیر ہوتے رہتے ہیں، کسی تجربہ کا ناکام ہونا اتنا مضر نہیں ہے، جتنا آئندہ تجربوں کے دروازوں کا بند ہونا مضر ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں جو مبارک کام آپ کرنے جارہے ہیں، اس ملک و معاشرہ کے اندر اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ اس کو قبول کرے۔ استقبال کرے اور پھر اس کو برداشت کرسکے ہضم کرسکے، اگر آپ کسی کمزور معدہ میں کوئی لطیف ترین غذا بھی ڈال دیں اور وہ معدہ اس کو واپس کردے، اسکو قبول نہ کرے تو اس کا کوئی فائدہ

نہ ہوگا، اصلاح معاشرہ کا کام بڑے وسیع پیمانے پہ شروع ہونا چاہیئے۔ مسجدوں کے منبروں سے اور درسگاہوں سے، اخبار کے کالموں سے، ٹیلیویژن اور ریڈیو سے اور سیاسی مقررین کی تقریروں میں بھی اس کو نظر انداز نہیں ہونا چاہیئے، قدم قدم پہ اگر رشوت ہے، قدم قدم پہ مالی ترغیبات ہیں، قدم قدم پر سنگدلی ہے اور اپنے ساتھیوں اور ایک محلہ کے رہنے والوں، شہر کے بسنے والوں سے اگر بے حسی ہے، ان کی مدد کرنے کا کوئی جذبہ نہیں ہے، ہمارے کارکنوں میں دفتر کے کارکنوں میں اور ہمارے مختلف عہدوں اور محاذوں پر کام کرنے والوں میں تو پھر بہت بڑا خطرہ ہے۔

اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کے اسباب

اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کا سب سے بڑا سبب معلوم ہوا کہ جہاں ان میں اور بہت سی غلطیاں ہوئیں وہیں ان میں اشاعت اسلام کی کوشش نہیں کی، وہ شمال کیطرف نہیں بڑھے بلکہ جنوب کیطرف ہٹتے چلے گئے، انہوں نے وہاں کی عیسائی آبادی کو اپنے سے مانوس نہیں کیا، اسلام کا پیغام نہیں پہنچایا، وہ قلب یورپ میں نہیں گھسے اور اپنے ماحول کو درست نہیں کیا، وہ فن تعمیر اور اپنے تہذیبی اثاثہ کو وسیع کرنے میں مشغول ہوگئے، فنون لطیفہ اور شاعری اور موسیقی کیطرف ان کی بہت زیادہ توجہ منعطف ہوگئی، لیکن سب سے بڑی بدقسمتی کی بات ان کا داخلی انتشار تھا، وہ ربیعہ ومضر اور یمانی وحجازی قبائل کا اختلاف تھا،

لسانی عصبیت، صوبائی عصبیت، نسلی عصبیت اور تہذیبی عصبیت سخت خطرناک بیماریاں ہیں، قرآن مجید میں ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے:

لا یسخر قوم من قوم عسیٰ	کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن
ان یکونوا خیرا منهم ولا نساء	ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور
من نساء عسیٰ ان یکن خیرا	نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان
منهن ولا تلمزوا انفسکم	سے اچھی ہوں اور اپنے کو عیب نہ لگاؤ
ولا تنابزوا بالالقاب (الحجرات)	اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔

یہ مشورہ افراد ہی کے لئے نہیں ہے، یہ ملتوں کے لئے بھی مشورہ ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے قوموں اور ملکوں کے چراغ گل کر دئے۔ میں نے اپنے دوستوں سے جو ہندوستان سے پاکستان آنے والے تھے یہی کہا کہ آپ جا رہے ہیں تو اپنے اپنے دلوں سے یہ احساس برتری نکال دیجئے کہ آپ اہل زبان ہیں، آپ کی اپنی تہذیب ہے، اگر آپ خلاف تہذیب کام کریں تو وہ بھی دوسروں کی تہذیب سے بڑھ کر تہذیب ہوگی، ان سب چیزوں کو ذہن سے نکال دیجئے، آپ وہاں جاکر پرانے رہنے والوں کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیے۔

پاکستان اسوقت دنیا کے نقشہ پہ اثر انداز ہو سکتا ہے، اور اس وقت کوئی اہم کردار ادا کر سکتا ہے، جب

ایسا صحیح الترکیب معجون ہو ان عناصر کا جو باہر سے آئے ہیں، یا یہاں کے رہنے والے ہیں، ان کو کوئی کسی سے امتیاز نہ کرے۔ یہ سب وہ خطرات ہیں جو اسپین میں تھے، وہاں قبائلی عصبیت نے گل کھلائے اور اپنا اثر دکھایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت کا یہ خطرہ ان پر تلوار کی طرح سر پر لٹک رہا تھا وہ اس کو بھول گئے، وہ آپس میں ایک دوسرے کا تفوق ظاہر کرنے یا زیادہ سے زیادہ حکومت سے لینے یا اپنے قبیلہ کے مفاد کی حفاظت میں لگ گئے، آج پاکستان میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے زیادہ موزوں مجمع اس سے زیادہ مؤثر مجلس کوئی نہیں ہو سکتی جس میں اپنے اس اندیشے کا اظہار کروں کہ آپ کی اصلاح کی مہم ان عصبیتوں کو ختم کر دے اور ان عصبیتوں کو ختم کرنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ ان عصبیتوں کی تردید کی جائے، ہم اپنے طرزِ عمل سے اور اسلامی اتحاد اور عدل و مساوات سے جس کا ذکر کیا ہے جیمہ صاحب نے، اس کے قانون و مساوات پر عمل کر کے ہم ان عصبیتوں کو بالکل فنا کر دیں، کم سے کم پاکستان کی حد تک ہمارے سامنے صرف اسلام کا مسئلہ رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں دو ہی محاذ ہیں، ایک محاذ ہے، الحاد و کفر کا اور ایک محاذ ہے اسلام کا۔ اور اس میں ذرا سی بھی چوک ہوئی تو میں قرآن مجید کے وہی الفاظ دہراؤں گا جو مدینہ میں قائم ہونے والے چھوٹے سے اسلامی معاشرے کو مخاطب کر کے کہے گئے تھے، مدینہ طیبہ میں جو معاشرہ بن رہا تھا وہ نہ صرف یہ کہ مہاجرین و انصار سے مرکب تھا بلکہ خود انصار کے دو قبیلے اوس و خزرج سے مرکب تھا اور مہاجرین اور انصار کے درمیان اتنی شکر رنجیاں اور اتنی تلخیاں، انتقامی جذبات، اتنی رنگین تاریخ، خون آلود تاریخ نہیں ہوگی جتنی اوس و خزرج کے درمیان، اوس و خزرج تقریباً چالیس برس لڑ چکے تھے اور اب بھی ان کی آنکھوں میں خون بھرا ہوا تھا اور ذرا سے ایک شعر پڑھ دینے میں ان کے جذبات مشتعل ہو جاتے تھے۔ ایسا ہوا ہے کہ اوس و خزرج بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی شاطر یہودی نے کسی کو بھیجا اور کہا کہ فلاں قصیدہ پڑھو اور اس نے پڑھنا شروع کیا اور قریب تھا کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں اور آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ خون ٹپکنے لگے گا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے اور آپ نے ان کو اسلامی وحدت اور اسلامی اخوت کی طرف متوجہ فرمایا اور وہ آگ ٹھنڈی ہوئی۔ وہ معاشرہ جو اتنا چھوٹا سا تھا، ساری دنیا ایک طرف، ساری طاقتیں ایک طرف، بازنطینی اور ساسانی سلطنتیں ایک طرف تھیں، اس کے بعد کی سلطنتیں ہندوستان وغیرہ کو چھوڑ دیئے اور اس کے مقابلہ میں چند ہزار آدمیوں کا ایک مجموعہ، ایک یونٹ، ایک وحدت تیار ہو رہی تھی۔ یہ وحدت بڑی طاقتوں کا کیا مقابلہ کر سکے گی، لیکن اس کو بھی آگاہی دی گئی کہ اگر تم نے اپنی وحدت کو مستحکم نہ کیا، اپنی اخوت کو مستحکم نہ کیا، الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ اگر تم نے اس میں کوتاہی کی تو اس کوتاہی کی سزا دنیا میں یہ ملے گی کہ زمین میں فتنۂ عظیم و فساد کبیر برپا ہوگا۔

اب آپ خیال کیجئے، کیا یہ لوگ ایسے تھے کہ جو انسانی قسمت پر ایسے اثر انداز ہو سکیں؟ لیکن انسانیت

کی آس ان ہی لوگوں سے قائم تھی، انسانیت کا جوہر، انسانیت کی اصلاح کا جو بھی سرمایہ تھا صرف یہی لوگ تھے۔ اسی لئے کہا گیا تم اگر ذرا سی غلطی کروگے اور تمہاری وحدت واخوت میں ذرا بھی رخنہ پڑا تو صرف یہی نہیں کہ تم فنا ہو جاؤگے بلکہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ دنیا میں فتنہ عظیم اور فساد کبیر برپا ہوگا، آپ سے کہتا ہوں کہ پاکستان میں اگر خدانخواستہ ان عصبیتوں نے سر اٹھایا جن کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ جن کو EXPLOIT کیا جاتا ہے، جن سے ہر وقت لوگ کام لیتے ہیں تو پھر کوئی طاقت پاکستان کو بچا نہیں سکتی۔ نفاذِ شریعت کا تجربہ اگر خدانخواستہ ناکام ہوا تو پھر دنیا کے کسی گوشے میں کوئی خدا کا بندہ اس کا نام نہیں لے سکتا کہ شریعت کا نفاذ کیا جائے۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مغرب اور پوری غیر اسلامی دنیا اس وقت ان ملکوں کیطرف دیکھ رہی ہے جہاں شریعت کے نفاذ کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ یہ تجربہ اگر ناکام ہوتا ہے، تو پھر میدان صاف ہے۔ اس لئے میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے اور اس مرحلہ پر آپ کو پوری توانائیاں، پوری ذہنی صلاحیتیں، اپنی قوتِ ارادی، ایثار و قربانی کا جذبہ، تعاون واشتراک عمل، اختلاف کو پس پشت ڈال دینے کی ہمت اس پر مرکوز کر دینی ہے۔ آپ کو جماعتوں سے بالاتر ہو کر بلند تر ہو کر پاکستان کے مفاد اور اس سے بھی بالاتر ہو اسلام کے مفاد کو دیکھنا ہے۔ اگر آپ نے یہ شرائط پوری کر دیں تو تاریخ کا ایک نیا صفحہ پلٹے گا اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگا، جب ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جائے گا، تو آپ دیکھیں گے کہ دنیا بھر کے سیاح ہی نہیں، بلکہ دنیا بھر کے شاہد اور مبصر آپ کے ملک میں آئیں گے تاکہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ساری دنیا میں بیان کر سکیں اور بتائیں کہ ہم نے ایک ایسا معاشرہ دیکھا ہے جہاں گناہ ناپید ہے، جہاں ہر فرد ایک دوسرے کیساتھ ہمدردی کرتا ہے جو ایک معیاری اور مثالی معاشرہ ہے جہاں قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور روح کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور جہاں پہنچ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں آگئے ہیں۔ اس لئے میں صرف اس طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا کام نہیں ہے۔ کہ ایک رات میں سب کچھ ہو جائے۔ کاش! ایسا ہو جاتا۔ آپ اس کے لئے وہ سب تیار کریں اور وہ سب قربانیاں دیں جو ایک ایسی نعمت کے لئے دینا چاہئے۔ جس پر انحصار ہے اسلام کی آئندہ ترقی کا اور آپ کے ملک کی قسمت کا۔

میں ان الفاظ کے ساتھ شکر گزار ہوں ان حضرات کا جنہوں نے مجھے ایسا زریں موقع فراہم فرمایا اور آپکا کہ آپ نے یہاں تشریف لا کر میری عزت بڑھائی۔